© rasailojaraid.com

تفسیر میں نظمِ قرآن کی اِستدلالی حیثیت

[اصولِ تفسیر کی روشنی میں ایک جائزہ]

حافظ مبشر حسین لاہوری

قرآن مجید آخری الہامی کتاب ہے جو حالات و مواقع کی مناسبت سے متفرق اجزاء کی شکل میں کم وبیش تئیس (۲۳) سالوں میں آنحضرت پر نازل ہوئی اور آپ نے اس کی حفاظت کے پیش نظر اپنی حیات طیبہ میں ہی اسے غیر نزولی ترتیب کے ساتھ صدور و قرطاس میں محفوظ کروا دیا۔ بعد میں صحابہ کرامؓ نے اسے مصحف کی شکل دے دی۔

قرآن مجید کا نزول تو متفرق اجزاء کی شکل میں ہوا، مگر آنحضرتؐ نے اس کی ترتیب کے لیے نزول کا اعتبار نہ کیا، بلکہ خدائی حکم کے تحت اسے وہ مخصوص شکل عطا کی جو آج ہمارے سامنے ہے، مگر یہ مخصوص ترتیب بھی عام روایتی کتابوں کی ترتیب کے برعکس ایک معجزانہ ترتیب پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید کے متفرق اجزاء کی شکل میں نازل ہونے کی وجہ سے اہل علم میں یہ اختلاف پیدا ہوا کہ قرآن مجید منتشر احکام او رمتفرق بیانات (خطبات) کا مجموعہ ہے یا ایک مرتب و منظّم اور مربوط کتاب ہے۔ عرب میں محمد عبدہ مصری، محمد رشید رضا، احمد مصطفیٰ مراغی، شیخ محمود شلتوت، امین الخولی، عائشہ عبدالرحمٰن اور برصغیر میں مولانا عبدالحمید فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ قریب قریب اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن مجید ایک ایسی منظّم و مربوط کتاب کی حیثیت رکھتا ہے جس کی ہر آیت دوسری آیت سے اور ہر سورت دوسری سورت سے ربط و نظم رکھتی ہے اور یہ ربط و نظم مجموعی طور پر اسے ایک منظّم کتاب کی شکل عطا کرتا ہے۔ بلکہ مولانا فراہی وصلاحی کے ہاں تو قرآن مجید کے بارے میں یہ فیصلہ بھی ملتا ہے کہ سورۂ فاتحہ اس آسمانی کتاب کا دیباچہ ومقدمہ، معوذتین اس کا خاتمہ اور ان کے درمیان موجود سورتیں بقول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا اصلاحی اس کے سات گروپ (ابواب) اور بقول مولانا فراہی نو گروپ (ابواب) ہیں۔ پھر ہر گروپ میں شامل مختلف سورتوں میں سے ہر سورت عام طور پر ایک مستقل (یعنی فصل کی) حیثیت رکھتی ہے، مگر اس کا تعلق اپنے گروپ (باب) کے ساتھ موجود رہتا ہے۔[۱]

پھر مولانا فراہی واصلاحی نے ہر گروپ میں موجود سورتوں کے مرکزی اور ذیلی مضمون بھی اس طرح متعین کیے ہیں جس طرح ایک کتاب کے ابواب وفصول کے متعین کیے جاتے ہیں، جب کہ متقدم ومتأخر مفسرین میں سے جمہور کی رائے یہ نہیں ہے۔ عربوں میں سے امام شوکانی یمنیؒ نے اس نقطۂ نظر کی تردید کی ہے، جب کہ برصغیر میں مولانا مودودیؒ نے بھی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ آپ نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن کے مقدمہ میں بہ تکرار اس موقف کی تردید کی ہے مثلاً لکھتے ہیں:

۱)...... ''عام طور پر ہم جن کتابوں کے پڑھنے کے عادی ہیں ان میں ایک متعین موضوع پر معلومات، خیالات اور دلائل کو ایک خاص تصنیفی ترتیب کے ساتھ مسلسل بیان کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر جب ایک ایسا شخص جو قرآن سے ابھی تک اجنبی رہا ہے پہلی مرتبہ اس کتاب کے مطالعہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ یہ توقع لیے ہوئے آگے بڑھتا ہے کہ 'کتاب' ہونے کی حیثیت سے اس میں بھی عام کتابوں کی طرح پہلے موضوع کا تعین ہوگا، پھر اصل مضمون کو ابواب اور فصول میں تقسیم کر کے ترتیب وار ایک ایک مسئلے پر بحث کی جائے گی اور اسی طرح زندگی کے ایک ایک شعبے کو بھی الگ الگ لے کر اس کے متعلق احکام وہدایات سلسلہ وار درج ہوں گی، لیکن جب وہ کتاب کھول کر مطالعہ شروع کرتا ہے تو یہاں اُسے اپنی توقع کے بالکل خلاف ایک دوسرے ہی اندازِ بیان سے سابقہ پیش آتا ہے جس سے وہ اب تک بالکل ناآشنا تھا۔ یہاں وہ دیکھتا ہے کہ اعتقادی مسائل، اخلاقی ہدایات، شرعی احکام، دعوت، نصیحت، عبرت، تنقید، ملامت، تخویف، بشارت، تسلی، دلائل، شواہد، تاریخی قصے، آثارِ کائنات کی طرف اشارے، بار بار ایک دوسرے کے بعد آرہے ہیں۔ ایک ہی مضمون مختلف الفاظ میں دہرایا جا رہا ہے۔ ایک مضمون کے بعد دوسرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دوسرے کے بعد تیسرا اچانک شروع ہو جاتا ہے، بلکہ ایک مضمون کے بیچ میں دوسرا مضمون یکا یک آجاتا ہے۔......'' ۲

۲)......''اسی لیے ایک عام کتاب خواں کی سی ذہنیت لے کر جب ہم میں سے کوئی شخص قرآن کا مطالعہ شروع کرتا ہے تو اسے کتاب کے موضوع ،مدّعا اور مرکزی مضمون کا سراغ نہیں ملتا۔ اس کا اندازِ بیان اور طرزِ تعبیر بھی اسے کچھ اجنبی سا محسوس ہوتا ہے اور اکثر مقامات پر اس کی عبارات کا پس منظر بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے۔''۳

۳)......''یہ قرآن اس نوعیت کی کتاب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیک وقت اسے لکھ کر محمد ﷺ کو دے دیا ہو اور کہہ دیا ہو کہ اسے شائع کر کے لوگوں کو ایک خاص رویۂ زندگی کی طرف بلائیں، نیز یہ اس نوعیت کی کتاب بھی نہیں ہے کہ اس میں مصنفانہ انداز پر کتاب کے موضوع اور مرکزی مضمون کے متعلق بحث کی گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں نہ تصنیفی ترتیب پائی جاتی ہے اور نہ کتابی اسلوب۔''۴

آگے تفسیر میں بھی مختلف مواقع پر اس مخصوص نقطۂ نظر کی واضح نفی ملتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مولانا مودودی نظم ومناسبت کی کسی صورت کو بھی قبول نہیں کرتے ،بلکہ آپ آیات اور سورتوں کے ظاہری ربط کی حد تک فوائد کی حیثیت سے اپنی تفسیر میں اس طرف توجہ دیتے نظر آتے ہیں، مگر اس میں نہ تو خواہ مخواہ کے تکلّفات سے کام لیتے ہیں ،نہ نظمِ قرآن کو تفسیرِ قرآن کے لیے اصولی اور کلیدی اہمیت دیتے ہیں اور نہ سورتوں کی گروپ بندی، ، ہر گروپ اور ہر سورت کے ایک ہی مرکزی موضوع پر مشتمل ہونے کے فراہی فلسفہ کو آپ لائق اعتنا سمجھتے ہیں۔ جب کہ مولانا فراہی واصلاحی کے ہاں تو: ''ہر سورہ ایک مستقل وحدت ہے، اس کا ایک علیحدہ عنوان وموضوع (عمود) ہے اور اس سورہ کے تمام اجزائے کلام اس عنوان وموضوع سے نہایت گہری وابستگی رکھتے ہیں۔''۵

اس سے آگے مولانا اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

''جس طرح ہر سورہ کا ایک خاص عمود ہوتا ہے جس سے سورہ کے تمام اجزائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کلام وابستہ ہوتے ہیں اسی طرح ہر گروپ کا بھی ایک جامع عمود ہے اور اس گروپ کی تمام سورتیں اسی جامع عمود کے کسی خاص پہلو کی حامل ہیں۔ مطالب اگرچہ ہر گروپ میں مشترک سے ہیں، لیکن اس اشتراک کے ساتھ جامع عمود کی چھاپ ہر گروپ پر نمایاں ہے۔"[۶]

مولانا مودودی سورتوں کی اس گروپ بندی اور ان کے مختلف مرکزی مضامین پر مشتمل ہونے کے برعکس یہ رائے رکھتے ہیں کہ "اس (قرآن مجید) کا موضوع انسان ہے اس اعتبار سے کہ بلحاظِ حقیقتِ نفس الامری اس کی فلاح اور اس کا خسران کس چیز میں ہے۔ اس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ظاہر بینی یا قیاس آرائی یا خواہش کی غلامی کے سبب سے انسان نے خدا اور نظامِ کائنات اور اپنی ہستی اور اپنی دنیوی زندگی کے متعلق جو نظریات قائم کیے ہیں اور ان نظریات کی بنا پر جو رویے اختیار کر لیے ہیں وہ سب حقیقتِ نفس الامری کے لحاظ سے غلط اور نتیجے کے اعتبار سے خود انسان ہی کے لیے تباہ کن ہیں۔ حقیقت وہ ہے جو انسان کو خلیفہ بناتے وقت خدا نے خود بتادی تھی اور اس حقیقت کے لحاظ سے انسان کے لیے وہی رویہ درست اور خوش انجام ہے جسے پچھلے صفحات میں ہم 'صحیح رویہ' کے نام سے بیان کر چکے ہیں۔ اس کا مدّعا انسان کو اس صحیح رویہ کی طرف دعوت دینا اور اللہ کی اس ہدایت کو واضح طور پر پیش کرنا ہے جسے انسان اپنی غفلت سے گم اور اپنی شرارت سے مسخ کرتا رہا ہے۔ ان تین بنیادی امور کو ذہن میں رکھ کر کوئی شخص قرآن کو دیکھے تو اسے صاف نظر آئے گا کہ یہ کتاب کہیں اپنے موضوع اور اپنے مدعا اور مرکزی مضمون سے بال برابر بھی نہیں ہٹی ہے۔ اول سے لے کر آخر تک اس کے مختلف النوع مضامین اس کے مرکزی مضمون کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے ہیں جیسے ایک ہار کے چھوٹے بڑے رنگ برنگ جواہر ہار کے رشتے میں مربوط ومنسلک ہوتے ہیں...... یہی وجہ ہے کہ وہ ہر چیز کا ذکر صرف اس حد تک اور اس انداز میں کرتا ہے جو اس کے مدعا کے لیے ضروری ہے۔ ہمیشہ ان چیزوں کا ذکر بقدر ضرورت کرنے کے بعد غیر متعلق تفصیلات کو چھوڑ کر اپنے مقصد اور مرکزی مضمون کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کا سارا بیان انتہائی یکسانی کے ساتھ 'دعوت' کے محور پر گھومتا رہتا ہے۔"[۷]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماضی قریب کی ان مذکورہ عبقری شخصیات کے زیرِ نظر موضوع پر اختلاف کو آغاز ہی میں واضح کر دینے کا مقصد اس موضوع کی اہمیت کو اُجاگر کرنا ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم اس موضوع کی تعریف، آغاز وارتقاء، علوم قرآن واصول تفسیر میں اس کی استدلالی حیثیت وغیرہ پر ضروری تفصیلات مہیا کریں گے۔ اس موضوع کے لیے چوں کہ متقدمین و متأخرین نے بالعموم 'نظم' کی اصطلاح استعمال کی ہے، اس لیے ہم بھی اسے 'نظمِ قرآن' سے موسوم کریں گے۔

اصطلاحِ 'نظمِ قرآن' کا آغاز:

یہ معلوم نہیں کہ قرآن مجید کے نظم وربط کے سلسلہ میں سب سے پہلے کس صاحبِ علم نے گفتگو فرمائی، البتہ متقدمین میں سے جن اصحاب علم نے اس سلسلہ میں کلام کیا ہے، ان میں امام ابن قتیبہ (۲۱۳ھ-۲۷۶ھ) ابو الحسن علی بن عیسیٰ رمانی معتزلی (۲۹۶ھ-۳۸۴ھ) قاضی عبدالجبار اسد آبادی معتزلی (۳۵۹ھ-۴۱۵ھ) امام خطابی (۳۱۹ھ-۳۸۸ھ) ابن جعفر باقلانی اشعری (۳۳۸ھ-۴۰۳ھ) عبدالقاہر جرجانی اشعری (۴۷۱ھم) کے نام سرفہرست ہیں۔ ابن قتیبہ نے **تاویل مشکل القرآن** میں، رمانی نے **النکت فی اعجاز القرآن** میں، قاضی عبدالجبار نے **المغنی فی ابواب التوحید والعدل** کی سولہویں جلد میں، خطابی نے **البیان فی اعجاز القرآن** میں، باقلانی نے **اعجاز القران** میں، جرجانی نے **دلائل الاعجاز** میں اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ان اصحاب نے نہ صرف یہ کہ اپنی تصنیفات میں نظمِ قرآن (نظمِ کلام) کی اصطلاح استعمال کی، بلکہ نظمِ کلام کو قرآن مجید کے اعجاز کا محل بھی قرار دیا۔ لیکن ان کے ہاں نظمِ کلام سے مراد وہ مفہوم نہیں تھا جسے متأخرین میں مولانا فراہی و اصلاحی نے متعارف کروایا ہے، بلکہ ان کے ہاں نظمِ قرآن سے مراد یہ تھا کہ قرآن مجید کے محض الفاظ وکلمات ہی معجزانہ حیثیت نہیں رکھتے اور نہ فقط ان کے معانی کا یہ حال ہے، کیونکہ یہی الفاظ ومعانی تو عربوں کے ہاں بھی مروج تھے، البتہ ان الفاظ ومعانی کی ترکیب سے جو کلام، قرآنی آیات اور قرآنی جملوں کی شکل میں پیش ہوتا تھا، وہ معجزہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا اور اس جیسی ترکیب پر مبنی ایک سورت بھی پیش کرنے سے کفار عاجز آ گئے تھے۔ امام خطابیؒ اسی پس منظر میں فرماتے ہیں:

''قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نظم عمدہ، الفاظ فصیح اور معانی حسین ہیں۔ اس نے توحید کی تعلیم دی، شرک سے اجتناب کی تلقین کی، اطاعتِ الٰہی پر ابھارا، حلال وحرام اور جائز و ناجائز کے ضابطے بتائے، وعظ وتبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اصول واضح کئے اور ان ساری تعلیمات کو نظم کی لڑی میں اس طرح منسلک کر دیا کہ ذرا سا دھاگہ ٹوٹا اور سارے موتی منتشر ہو گئے۔ قرآنی بلاغت ادب کے تمام اسالیب کی جامع ہے جس کی نظیر انسانی وجود پیش نہیں کر سکتا۔ الفاظ کو اس طرح مربوط بنا دیا گیا ہے کہ اگر انہیں ان کے مخصوص مقام سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دیا جائے تو مفہوم گڑ بڑ ہو جائے یا وہ چاشنی اور رونق باقی نہ رہے جو قرآن میں موجود ہے۔''[۸]

یہی بات قاضی عبدالجبار معتزلی اس طرح پیش کرتے ہیں:

''یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ فصاحت مفرد کلمات میں نہیں ہوتی، بلکہ ایک مخصوص طریقہ کو اختیار کر کے کلام میں نظم وارتباط پیدا کرنے سے فصاحت پیدا ہوتی ہے۔ نظم وتالیف کے ساتھ ہر لفظ کی ایک صفت ہونی چاہیے۔ یہ صفت بسا اوقات نظم و ترکیب سے اپنا مقام بناتی ہے اور کبھی اعراب کے ذریعہ اور کبھی موقع ومحل سے امتیاز حاصل کر لیتی ہے۔ ان تینوں کے علاوہ کوئی چوتھی شکل نہیں ہے...... اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ فصاحت میں حسنِ معنی بھی شامل ہے، پھر تم نے اس کا خیال کیوں نہیں رکھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ معانی کا حسن گرچہ ناگزیر ہے، لیکن ان میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے یہ صورت حال دیکھنے میں آتی ہے کہ ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے والوں میں سے ایک شخص فصاحت میں دوسرے پر بازی لے جاتا ہے، جبکہ مفہوم دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے، کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ معانی میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اس صورت میں تفاوت ان لفظاظ میں ہوگا جو اظہار کا جامہ زیب کرتے ہیں۔ اگر یہ جملہ صحیح ہے تو خصوصیت دراصل تالیف کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سے کلمات مخصوص ہوتے ہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا تقدیم و تاخیر سے نکھار آتا ہے جو موقع و محل کے لیے خاص ہیں، یا پھر حرکات سے حسن پیدا ہوتا ہے جو اعراب کے ساتھ خاص ہیں اور اسی سے کلام میں امتیاز پیدا ہوتا ہے۔"[۹]

نظمِ قرآن بمعنی مُناسبتِ آیات وسُوَر:

متقدم علمائے بلاغت کے ہاں نظم کی اصطلاح جس پس منظر میں مستعمل تھی اسے برقرار رکھتے ہوئے اس میں توسیع سب سے پہلے جس مفسر نے کی، وہ علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر جاراللہ الزمخشری المعتزلی (۴۶۷ھ۔۵۳۸ھ) ہیں۔علامہ زمخشری اس بات کے بھی قائل تھے کہ قرآن مجید اپنے جملوں کی ترکیب و تنظیم کے حسن بلاغت کی وجہ سے معجزہ ہے۔اس کے مقابلہ کا بلیغ جملہ پیش کرنے سے مخلوق قاصر ہے۔چنانچہ سورہ نساء کی آیت ۱۶۶ (وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَشْهَدُ......) کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اللہ نے قرآن کو اپنے اس علم خاص کے ساتھ نازل کیا ہے جس سے کوئی واقف نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کی ترتیب و تنظیم ایسے سلوب اور نظم کے مطابق ہے جو ہر صاحبِ بلاغت اور صاحبِ بیان کے بس سے باہر ہے......اور قرآن کی صحت اور صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کا نزول ایسے معجزانہ نظم کے ساتھ ہوا ہے جو ہر کسی کی طاقت سے بلند ہے۔"[۱۰]

زمخشری نے نظم قرآن کی اصطلاح کو مزید وسعت دیتے ہوئے مختلف آیات کے باہمی نظم و ربط تلاش کرنے کی طرف بھی توجہ دی۔اس سلسلہ میں انھوں نے جو کوشش کی ہے اس کے چند نمونے سطورِ ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

۱)......سورۂ اعراف میں حضرت آدمؑ و ابلیس کا واقعہ بیان ہوا ہے اور اس کا اختتام اس آیت پر کیا گیا ہے:

﴿قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ﴾[الاعراف:۲۴.۲۵]

اس کے فوراً بعد یہ آیت ہے:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاساً يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشاً وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾[الاعراف:۲۶]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت کا ماقبل سے بظاہر کوئی تعلق نظر نہیں آتا، مگر زمخشری ان میں نظم ثابت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''یہ آیت سیاقِ کلام سے منقطع ہوکر عَلٰی سَبِیلِ الْاِسْتِطْرَادُ آ گئی ہے۔ اس سے پہلے کے واقعہ میں ہبوطِ آدم کا تذکرہ تھا اور کہا گیا تھا کہ آدم کے ستر کھل گئے اور وہ اپنے جسم کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔ یہاں لباس کا ذکر کرکے اللہ تعالیٰ اپنے احسان کا اظہار کررہا ہے اور اس بات سے باخبر کررہا ہے کہ ننگا پن اور عریانیت باعثِ فضیحت ورسوائی ہے اور ستر پوشی تقوی کا عظیم باب ہے۔''[۱۱]

۲)......سورت نساء میں ایک یہ آیت ہے:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ اَوْ لٰامَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾[النسآء:۴۳]

یہاں صاحب کشاف (زمخشری) نے اس آیت کے ضمن میں پہلے یہ سوال اٹھایا ہے کہ قرآن مجید نے مریضوں، مسافروں، بے وضو اور جنبی لوگوں کو ایک ہی لڑی میں کیونکر پرو دیا ہے، جب کہ بیماری اور سفر تو رخصت کے اسباب ہیں۔ حدث وجوبِ وضو کا سبب ہے اور جنابت وجوبِ غسل کا سبب ہے۔ آخر اس ترتیب ونظمِ کلام کا کیا سبب اور حکمت ہے؟ پھر اس کے جواب میں فرماتے ہیں: ''جن لوگوں پر طہارت واجب ہوچکی ہو، لیکن پانی نہ ملنے کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے وہ اس کا استعمال نہیں کرسکتے، ایسے لوگوں کو خدا کی طرف سے مٹی سے تیمّم کی رخصت دی جارہی ہے۔ چنانچہ ان میں سے مریضوں اور مسافروں کو پہلے رخصت دی گئی اور ان کا تذکرہ سب سے پہلے ہوا، کیونکہ یہ لوگ اس لحاظ سے اولیت کے مستحق تھے کہ یہ اسباب بکثرت اور بتکرار پیش آتے ہیں اور ان سے انسان کو زیادہ سامنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد بطور عموم ان سب کا ذکر کردیا گیا جن پر طہارت واجب ہو اور وہ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہوں، خواہ دشمن یا درندوں کے خوف سے یا برتن نہ ہونے کی وجہ سے یا پانی نہ ملنے کی وجہ سے۔ کیونکہ مرض اور سفر کے مقابلہ میں یہ عوارض کم پیش آتے ہیں۔''[۱۲]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظمِ قرآن کے سلسلہ میں آیات کی باہمی مناسبت پر جو گفتگو علامہ زمخشری کے ہاں ملتی ہے وہی آگے امام رازی (۵۴۴ھ۔۶۰۶ھ) کے ہاں بھی ملتی ہے، مگر زمخشری ہی کی طرح رازی کے ہاں بھی یہ متفرق طور پر کہیں کہیں دکھائی دیتی ہے، پھر ان کے بعد امام بقاعی (۸۸۵ھم) نے بھی اس طرف توجہ کی اور" **نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور**" نامی اپنی تفسیر میں آیتوں اور سورتوں کے باہمی ربط و نظم پر کافی کام کیا۔اسی طرح شیخ مخدوم علی مہائمی (۷۷۶ھ۔۸۳۵ھ) امام سیوطی (۸۴۹ھ۔۹۱۱ھ) شیخ محی الدین ابن عربی صوفی (۵۶۰ھ۔۶۳۸ھ) علامہ ابو جعفر ابن الزبیر (۶۲۷۔۷۰۸ھ) ابوالحسن علی بن احمد الحرالی (۶۳۷ھم) نے بھی نظم و مناسبت کی رعایت سے تفاسیر لکھی ہیں۔

پورے قرآن کا نظام

قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کے داخلی و خارجی نظم کے متعلق مذکورہ بالا اہل علم کے ہاں اگرچہ کافی بحثیں ملتی ہیں، مگر ان میں سے کسی کے ہاں یہ بحث نہیں ملتی کہ پورا قرآن مجید بھی ایک ایسی وحدتِ ترتیب اور تنظیم رکھتا ہے جو اسے شروع سے آخر تک ایک کتاب کی طرح منضبط کلام کی شکل مہیا کرتی ہے (شیخ اکبر ابن عربیؒ نے اس طرف کچھ اشارہ کیا ہے[۱۳] ان کا تذکرہ آگے آتا ہے)۔

متأخرین میں سے جن اہل علم نے پورے قرآن مجید کو مربوط و منظّم کتاب کی طرح ایک وحدت دینے کی کوشش کی ہے، ان میں مولانا فراہی (۱۸۶۳ء۔۱۹۳۰ء) کا نام سب سے نمایاں ہے۔انھوں نے اس کے لیے نظمِ قرآن اور نظامِ قرآن کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔انہوں نے نظم قرآن کے سابقہ تصورات کو وسعت دیتے ہوئے ایک نیا نظریہ اور فلسفہ پیش کیا چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

"بعض علماء نے آیات اور سورتوں کی باہمی مناسبت کے باب میں کئی تصانیف چھوڑی ہیں، لیکن نظم قرآن کے باب خاص میں کوئی تصنیف میرے علم میں نہیں آئی۔میرے نزدیک نظام اور مناسبت میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ مناسبت نظام کا محض ایک حصہ ہوتی ہے۔"......(آگے فرماتے ہیں) "نظم سے ہماری مراد سورہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجزاء کی وہ باہمی مناسبت ہے جس کے معلوم ہونے پر پوری سورہ ایک وحدت میں ڈھل جائے۔ اس صورت میں کلام کا مفہوم اس قدر مربوط اور ایک ہی مرکزی مضمون کا حامل نظر آتا ہے کہ پوری سورہ مشخّص ہوکر سامنے آتی ہے اور کلام میں ایک جمال، ایک پختگی اور وضاحت کا ادراک ہوتا ہے۔ نظم محض ایک سورہ تک ہی محدود نہیں ہوتا، بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس سورہ کی مناسبت ان سورتوں کے ساتھ معلوم ہوجائے جو اس کے ساتھ متصل ہیں۔ اگر ان کے ساتھ ان کی مناسبت واضح نہ ہوتو ان سورتوں کے ساتھ اس کا تعلق معلوم ہوجائے جو اس سے پہلے یا بعد میں کچھ فاصلے پر واقع ہیں۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ جس طرح بعض آیات جملہ معترضہ کے طور پر کلام میں آجاتی ہیں اسی طرح بعض سورتیں بھی معترضہ سورتیں بن کر آئی ہوں۔ نظم معلوم ہوجانے کے بعد اول سے آخر پورا قرآن مناسبت وترتیب رکھنے والا اور کامل وحدت سے متصف نظر آئے گا۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ نظم محض مناسبت یا محض ترتیبِ اجزاء سے زائد ایک چیز ہے۔'' [۱۴]

مولانا فراہی نے نظمِ قرآن کا جو فلسفہ پیش کیا اس کی رو سے سورۂ فاتحہ اس آسمانی کتاب کا دیباچہ، معوذتین خاتمہ اور درمیانی سورتیں مختلف ابواب (گروپ) ہیں۔ ان ابوب کے الگ الگ مرکزی مضمون (عنوان) ہیں اور ہر سورت اپنے باب کی ایک فصل کی حیثیت رکھتی ہے اور اس فصل کا بھی ایک مرکزی عنوان ہے جو اپنے باب (گروپ) کے مرکزی عنوان کے ساتھ ربط رکھتا ہے۔ یوں پورا قرآن ایک کتابی و تصنیفی ربط کی صورت میں ڈھل جاتا ہے۔ مولانا فراہی کا یہ فلسفہ ان کے چند رسائل کے مجموعہ 'رسائل الامام فراہی' (ص ۱۰۳تا ۱۱۰) میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور اس میں انہوں نے قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے ہر سورت کا مرکزی موضوع (عمود) اور پھر ان کے ابواب (گروپ) کا مرکزی موضوع بھی متعین کیا ہے۔ مولانا فراہی نے اپنے اس فلسفہ ونظریہ کو عملی شکل دیتے ہوئے قرآن مجید کی مختلف سورتوں کی تفسیر بھی اسی نہج پر کی ہے، مگر وہ پورے قرآن کی تفسیر نہ کرپائے، البتہ ان کے بعد ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے اسی فلسفہ کی آبیاری کرتے ہوئے پورے قرآن مجید کی ضخیم تفسیر لکھی اور اپنی خداداد عقل وبصیرت سے ان تمام مباحث پر بھی قلم اٹھایا جنہیں ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استاذ امام فراہی نے تشنہ چھوڑا تھا۔ اس سلسلہ میں بعض مقامات پر انہوں نے اپنے استاد سے اختلاف بھی کیا ہے، جس کی تفصیل آگے 'مولانا فراہی و اصلاحی کے تفسیری اختلافات' کے عنوان کے تحت آ رہی ہے۔

یہ تو تھے اس علم کے آغاز و ارتقاء سے متعلق چند مباحث۔ اب ہم علوم قرآن اور اصول تفسیر کی روشنی میں اس علم کی حیثیت پر گفتگو کریں گے۔

علمِ نظمِ قرآن (علم المناسبة)

علوم قرآن پر دستیاب دو اہم کتابوں یعنی 'الاتقان فی علوم القرآن' (امام سیوطی) اور 'البرهان فی علوم القرآن' (امام زرکشی) میں اس علم پر کافی تفصیل سے بحث موجود ہے۔ انہوں نے اس علم کے لیے نظم قرآن کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے اور علم المناسبة کی اصطلاح بھی۔ چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:

المناسبة فی اللغة المشاكلة والمقاربة ومرجعها فی الآيات ونحوها الی معنی رابط بينهما، عام او خاص، عقلی اوحسی اوخيالی اوغير ذلك من انواع العلاقات، او التلازم الذهنی كالسبب والمسبّب والعلة والمعلول والنظيرين والضدين وغيره. ۱۵

لغوی طور پر 'مناسبت' کا معنی ہے ایک دوسرے کے قریب اور مشابہ ہونا۔ آیات (اور سورتوں) وغیرہ میں علم مناسبت سے مراد دو چیزوں کے مابین معنوی ربط کا نام ہے۔ یہ ربط عام اور خاص کے درمیان بھی ہوسکتا ہے، خیالی (عقلی) اور حسّی کے درمیان بھی۔ اسی طرح باہمی ربط (علاقات) کی دیگر قسموں میں سے کسی اور کے درمیان بھی۔ علاوہ ازیں اس ربط کا تعلق تلازُمِ ذہنی سے بھی ہوسکتا ہے، مثلاً جس طرح سبب اور مسبب کے درمیان تعلق ہوتا ہے یا علت اور معلول کے درمیان یا دو نظیروں یا دو ضدوں کے درمیان ہوتا ہے۔

علمِ نظمِ قرآن میں جس طرح آیات کے باہمی ربط و نظم پر بحث کی جاتی ہے اسی طرح سورتوں کے باہمی ربط و نظم پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے، جیسا کہ امام سیوطی فرماتے ہیں:

"ابو جعفر بن زبیر جو امام ابو حیان کے شیخ تھے، انہوں نے اس موضوع پر ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب لکھی، جس کا نام ہے: ''البرھان فی مناسبة ترتیب سور القرآن''[١٦]

خود امام سیوطی نے بھی 'اسرار التنزیل' کے نام سے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی، پھر اس میں سے سورتوں کے باہمی ربط سے متعلقہ حصے کو انہوں نے الگ کتابی شکل دے دی اور اس کا نام رکھا: ''تناسق الدرر فی تناسب السور''[١٧]

علمِ نظمِ قرآن کی اہمیت وافادیت اور مختلف نقطہ ہائے نظر:

علمِ نظمِ قرآن کی اہمیت وافادیت کے بارے میں اہلِ علم کی آراء مختلف رہی ہیں۔ بعض اہلِ علم اس کی افادیت کے نہ صرف قائل تھے، بلکہ انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر میں بھی اس سے فائدہ اٹھایا، جب کہ بعض اسے تکلفِ محض سے تعبیر کرتے تھے، چنانچہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام اس ثانی الذکر طبقہ کی نمائندگی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

المناسبة علم حسن لکن یشترط فی حسن ارتباط الکلام ان یقع فی امر متحد مرتبط اوله بآخره فان وقع علی اسباب مختلفة لم یشترط فیه ارتباط احدهما بالآخر (قال) ومن ربط ذلک فهو متکلّف بمالایقدر علیه الا بربط رکیک یصان عنه حسن الحدیث فضلاعن احسنه فان القرآن نزل فی نیف وعشرین سنة فی احکام مختلفة ولأسباب مختلفة وماکان کذلک لایتاتی ربط بعضه ببعض.[١٨]

علم المناسبہ (نظم قرآن) ایک اچھا علم ہے لیکن ربطِ کلام کی خوبی اس بات سے مشروط ہے کہ وہ کلام ایک ہی معاملہ سے متعلق ہو اور شروع سے آخر تک مربوط واقع ہوا ہو۔ لہٰذا اگر کلام مختلف مواقع پر پیش آیا ہو تو پھر اس کے باہم مربوط ہونے کی شرط نہیں لگائی جاسکتی، بلکہ ایسے کلام کو اگر کوئی شخص مربوط ومرتّب بنانے کی کوشش کرے گا تو وہ اس چیز کا تکلف کرے گا جو اس کی طاقت سے باہر ہے اور اس طرح وہ ایسا فضول ربط پیش کرے گا جو سب سے اچھے کلام میں تو دور کی بات ایک عام مناسب کلام کے بھی شایان شان نہیں ہوگا۔ قرآن مجید بیس سال سے کچھ زیادہ کی مدت میں مختلف حالات کے لیے گوناگوں احکام لے کر نازل ہوا اور جس چیز کا نزول اس طرح ہوا ہو اس میں کسی قسم کا ربط ونظم نہیں ہوسکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماضی قریب کے مشہور مفسر امام شوکانی (۱۱۷۳ھ۔۱۲۵۰ھ) نے بھی نظمِ قرآن کی تلاش کو لایعنی اور وقت کا ضیاع قرار دیا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۴۰ کے تحت رقم طراز ہیں:

''جان لو کہ بہت سے مفسرین نے ایک زحمت طلب علم دریافت کیا ہے۔ انہوں نے ایک ایسے سمندر میں غوطہ زنی کی ہے جس میں تیرنے کے وہ مکلّف نہیں بنائے گئے۔ انہوں نے ایک ایسے فن میں اپنے اوقات صرف کئے جو ان کے لیے قطعی سود مند نہیں ہے، بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو ایسی مجرد رائے اور گمان سے کام لینے پر لگا دیا ہے جو کتاب الٰہی کے معاملات میں بالکل ممنوع ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے مصحف میں موجود ترتیب کے مطابق قرآنی آیات کی تنظیم کے درمیان مناسبت کا التزام کیا ہے اور اس راہ میں ایسے تکلّفات اور اس قدر تصنّع سے انہیں کام لینا پڑا ہے کہ حق و انصاف پناہ مانگنے لگتے ہیں۔ کلام اللہ تو دور کی بات ماہرینِ بلاغت کا کام بھی ایسے تکلّفات سے مبرّا ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے اس موضوع پر علیٰحدہ سے کتابیں تصنیف کی ہیں اور مناسبت کو تالیف کا اہم ترین مقصد قرار دیا ہے، جیسا کہ بقاعی نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ ان کے ان پیش روؤں نے بھی جن کا تذکرہ بقاعی نے اپنے مقدمہ میں کیا ہے اس طرح کی کوشش کی ہے۔ یہ بات ہر اس شخص کو عجیب وغریب معلوم ہوگی جو اس حقیقت سے واقف ہے کہ قرآن اپنے آغازِ نزول سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی وفات تک مختلف حالات وواقعات کے مطابق متفرق شکل میں اترا ہے۔ عالم کو چھوڑیئے، کوئی بھی صاحبِ عقل شخص اس امر میں شک نہیں کرسکتا کہ نزولِ قرآن کے مقتضیٰ یہ حالات وواقعات خود ایک دوسرے سے مختلف اور جدا ہیں، بلکہ بسا اوقات باہم متضاد بھی ہیں، جیسے ایک چیز کو حرام قرار دینا جو پہلے حلال تھی اور ایک چیز کو حلال قرار دینا جو پہلے حرام تھی، ایک امر کو کسی شخص یا کچھ اشخاص کے لیے ثابت کرنا، جب کہ وہ اس کے برعکس تھا جو پہلے ان کے لیے تھا، کبھی گفتگو مسلمانوں سے ہوتی ہے اور کبھی کافروں سے، کبھی خطاب ماضی کے لوگوں سے ہوتا ہے اور کبھی حال کے لوگوں سے۔ کبھی عبادت زیرِ بحث آتی ہے اور کبھی معاملات۔ کبھی ترغیب ہوتی ہے اور کبھی ترہیب، کبھی بشارت ہوتی ہے تو کبھی انذار، کبھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیا زیر بحث ہوتی ہے کبھی آخرت ،بسا اوقات درپیش مسائل اور پریشانیوں کا بیان ہوتا ہے اور بسا اوقات گزرے ہوئے قصے اور داستانیں مذکور ہوتی ہیں۔ جب نزول کے اسباب اس قدر مختلف اور ایک دوسرے سے اتنے جدا ہیں کہ ان میں وحدت اور ہم آہنگی کا کوئی موقع نہیں ہے تو انہی اسباب میں نازل ہونے والا قرآن بھی اسی درجہ کے اختلاف کا مظہر ہوگا۔ آخر کوئی صاحبِ عقل گوہ اور مچھلی کے درمیان ،آگ اور پانی کے درمیان اور ملاح اور حدی خواں کے درمیان مناسبت کیسے تلاش کرے گا۔ کیا یہ ان لوگوں کے لیے شک کا دروازہ کھولنا اور شکوک کے دائرہ کو وسیع تر کرنا نہ ہوگا جن کے دلوں میں مرض ہے یا جن کی بیماری محض جہالت اور کوتاہی ہے ۔جب یہ مریضانِ قلب دیکھیں گے کہ اہلِ علم قرآن کی تمام آیتوں کے درمیان مناسبت پر گفتگو کر رہے ہیں اور اس پر علیٰحدہ کتابیں تصنیف کر رہے ہیں تو انہیں یقین ہوجائے گا کہ یہ ایک ناگزیر علم ہے اور یہ کہ قران اسی وقت بلیغ اور معجزہ مانا جائے گا، جب کہ مناسبت کی وجوہ ظاہر ہوجائیں اور ربط ومناسبت کو واجب کرنے والی چیز واضح ہوجائے۔ اگر اسے آیات کے درمیان اختلاف نظر آئے اور وہ اس سلسلہ میں متکلمین کے اقوال کی طرف رجوع کرے اور وہاں اسے محض تکلّف اور تصنّع نظر آئے تو اس کے دل میں قرآن کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوجائے گی، حالانکہ اس نظریہ کو تسلیم کرنے سے پہلے وہ اس طرح کے شکوک سے پاک تھا۔ یہ صورت حال اس وقت درست ہوگی جب کہ یہ فرض کرلیا جائے کہ مصحف کی موجودہ ترتیب کے مطابق ہی قرآن نازل ہوا ہے۔آخر یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے جبکہ ہر وہ شخص جسے کتاب الٰہی کا ادنیٰ سا علم ہے اور وہ اس سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ صورت حال ایسی نہیں ہے۔ اگر کسی کو اس میں شک ہو، اگرچہ اہل علم اس میں شک نہیں کرسکتے ،تو وہ اسباب نزول کے ان علماء کے کلام کا مطالعہ کرے جو واقعات وحالاتِ نبوت سے پوری طرح واقف تھے۔ اس مطالعہ سے اس کا سینہ ٹھنڈا ہوجائے گا اور طویل سورتوں کو چھوڑیئے ، معتدل اور درمیانی سورتوں ہی پر غور کرکے اس کے شکوک وشبہات دور ہوجائیں گے۔ ان سورتوں کے مطالعہ سے وہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتیجہ تک پہنچے گا کہ وہ ایسی آیات پر مشتمل ہیں جو مختلف حالات اور جدا جدا اوقات میں نازل ہوئی ہیں جن کے اسباب وحالات میں کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی، بلکہ یہاں صرف اسی پر غور کرلیا جائے کہ سب سے ابتداء میں اِقْرَأ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ نازل ہوئی، پھر یٰاَیُّھَا الْمُدَثِّرْ اوراس کے بعد یٰاَیُّھَا الْمُزَمِّلْ کی آیات اتریں۔ بتایئے کہ مصحف کی موجودہ ترتیب میں ان آیات اورسورتوں کی جگہ کیا ہے، جب صورت حال یہ ہے تو ان آیات کے درمیان مناسبت تلاش کرنے کے کیا معنی ہیں جن کے بارے میں قطعی طور پر ہمیں معلوم ہے کہ مصحف کی ترتیب میں انہیں بعد میں رکھا گیا ہے جبکہ ان کا زمانۂ نزول پہلے کا ہے، یا مصحف میں انہیں پہلے رکھا گیا ہے جبکہ زمانۂ نزول بعد کا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کا تعلق نزولِ قرآن کی ترتیب سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ان صحابہ کے عمل سے ہے جو جمع وترتیب کے ذمہ دار تھے۔ اس طرح کے علم کا فائدہ بہت کم اوراس کا ثمرہ بہت محدود ہے، بلکہ یہ صاحبِ فہم کے نزدیک محض تضییعِ اوقات اورایسی چیز میں گھنٹوں کا صرف کرنا ہے جو عبث اور بے سود ہے۔ آپ خوب واقف ہیں کہ اگرایک شخص مناسبت کی تلاش کے پیچھے پڑجائے اوراہل ادب وبلاغت کے خطبوں، رسائل اورانشائیوں میں نظم ڈھونڈھنے لگے یا شعراء کے مدحیہ، ہجائیہ، غزلیہ اورمرثیہ قصائد اورخطبوں میں اوران کے فقروں اور خاتموں میں مناسبت کے اسباب تلاش کرے، پھرایک قدم آگے بڑھ کرمزید تصنّع کرے اورخطیب کے خطبۂ جہاد کی خطبۂ حج اورخطبۂ نکاح اوردوسرے تمام خطبوں میں وحدت پیدا کرے اورتعزیتی انشائیہ اورتبریکی انشائیہ میں تعلق قائم کرے تو ایسے شخص کو مریض اورفاتر العقل تصورکیا جائے گا جو اپنے اوقات سے کھلواڑ کررہا ہے اوراپنی عمرعزیز کو داؤں پر لگارہا ہے۔ جب اس مقام پر یہ حالت ہے کہ کلام انسانی میں اس فعل کو حماقت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس کلام خداوندی میں اس قسم کے عمل کو کیا کہا جائے گا جس کی بلاغت نے بڑے بڑے عرب زبان آوروں کو خاموش کردیا اورجس کی فصاحت نے عدنان کے فصیح اللسان ادیبوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا۔ ہر شخص خواہ کم علم ہو یا مکمل عالم، جانتا ہے کہ اللہ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کی یہ صفت بتائی ہے کہ وہ عربی مبین ہے اور اسے عربوں کی زبان میں نازل کیا ہے اور اس میں عربوں کے مسالکِ ادب اور اندازِ تخاطب کو اختیار کیا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ عربوں کا ایک خطیب ایک ہی مقام پر کھڑا ہو کر مختلف ومتضاد فنونِ کلام کو اختیار کرتا تھا، چہ جائیکہ متعدد مقامات کی بات ہو یا زندگی بھر کے اقوال اور خطبوں کا معاملہ ہو، یہی حال ان کے شاعروں کا تھا۔ یہاں ہم اس فساد پر اسی تنبیہ کو کافی سمجھتے ہیں جس کی وادیوں میں متعدد محققین نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ یہاں ہم نے اس بحث کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ روئے سخن اب بنی اسرائیل کی طرف مڑ گیا ہے جبکہ اس سے پہلے گفتگو ابوالبشر آدم کے سلسلہ میں ہو رہی تھی۔ اگر کوئی تکلّف وتصنّع کا عادی سوال کرے کہ ان آیات کا ماقبل سے کیا ربط اور مناسبت ہے تو ہمارا جواب ہوگا کہ کوئی ربط اور مناسبت نہیں ہے۔"[19]

اسی طرح وہ تمام مفسرین بھی بالواسطہ اسی رائے کے قائل تھے جنہوں نے اپنی تفاسیر میں نظم قرآن کے حوالے سے کوئی بحث نہیں کی۔ اس لحاظ سے مفسرین کی بڑی تعداد اسی زمرے میں آتی ہے، جیسا کہ امام سیوطی نے امام رازی کے حوالے سے ان کا یہ قول درج کیا ہے:

رأیت جمہور المفسرین معرضین عن ھذہ اللطائف[20]

میں نے جمہور مفسرین کو دیکھا ہے کہ وہ اس (علمِ نظمِ قرآن) کے لطائف سے اعراض کرتے ہیں۔

اسی طرح امام زرکشی فرماتے ہیں:

وھذا النوع یھملہ بعض المفسرین او کثیر منھم وفوائدہ غزیرۃ[21]

مفسرین کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو اس علم (نظم قرآن) کی اہمیت کو نظر انداز کرتی ہے حالانکہ اس میں بڑے فوائد پنہاں ہیں

وہ اہل علم جو علم نظم قرآن کی افادیت کے قائل تھے ان کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے امام زرکشی 'البرھان' میں فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قال بعض مشايخنا المحققين قد وهم من قال :لايطلب للآی الكريمة مناسبة ،لانها على حسب الوقائع المتفرقة وفصل الخطاب انهاعلى حسب الوقائع تنزيلا وعلى حسب الحكمة ترتيبا فالمصحف كالصحف الكريمة على وفق مافی الكتاب المكنون مرتبة سوره كلها وآياته بالتوقيف......ومن المعجز البيّن اسلوبه ونظمه الباهر فانه :﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ آيٰتُه ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾قال :والذی ينبغی فی كل اٰية ان يبحث اول كل شئی عن كونها مكملة لماقبلها او مستقلة ثم المستقلة ، ما وجه مناسبتها لماقبلها؟ففی ذلک علم جم وهكذا فی السور يطلب وجه اتصالها بماقبلها وماسبقت له[۲۲]

ہمارے بعض محقق مشائخ کا کہنا ہے کہ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ قرآن مجید چونکہ حالات کے تقاضوں کے تحت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے اس وجہ سے اس میں نظم (مناسبت) تلاش کرنا ہی بے کار ہے ، ان کو دھوکا ہوا ہے۔ فیصلہ کن بات یہ ہے کہ قرآن مجید کو نازل تو حالات کے تحت متفرق طور پر کیا گیا ہے جب کہ اسے مرتب کیا گیا تو حکمت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا۔ یہ دیگر معزز صحائف کی طرح ہے اور اسی ترتیب کے ساتھ ہے جو لوح محفوظ میں ہے۔ اس کی سورتیں اور آیتیں توقیفی طور پر مرتب ہوئی ہیں ۔اس کا ایک اعجاز اس کا اسلوبِ بیان اور واضح نظم ہے کیونکہ یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں ،پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبر کی طرف سے۔''

علمِ نظمِ قرآن سے بے توجہی کیوں رہی ؟

آیتوں کے داخلی ربط اور سورتوں کے باہمی ربط میں چونکہ عقل ورائے کو زیادہ دخل ہوتا ہے، پھر اس میں خطا کا بھی صریح امکان ہوتا ہے، اس لیے اہل علم کی بڑی تعداد نے اس کو اہمیت نہیں دی۔علاوہ ازیں یہ کام انتہائی دقّت طلب بھی ہے۔ چنانچہ امام سیوطی فرماتے ہیں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وعلم المناسبة علم شريف قل اعتناء المفسرين به لدقته وممن اكثرفيه الامام فخر الدين وقال في تفسيره:اكثر لطائف القرآن مودعة في الترتيبات والروابط.[۲۳]

نظم قرآن (مناسبت) کا علم ایک نہایت اعلیٰ علم ہے۔اس کے مشکل ہونے کی وجہ سے مفسرین نے اس کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔جس شخص نے اس کا سب سے زیادہ اہتمام کیاہے وہ امام رازی ہیں۔ انھوں نے اپنی تفسیر (مفاتیح الغیب) میں کہاہے کہ قرآن مجید کے لطائف کا بڑا حصہ اس کے ربط وترتیب میں چھپاہوا ہے۔

نظمِ قرآن کی افادیت کے قائل اہلِ علم

علم نظم قرآن کی افادیت کے قائل اہل علم میں سے ایک تو امام بقاعی ہیں جنہوں نے اسے مدنظر رکھتے ہوئے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے جس کا نام ہے: ''نظم الدرر في تناسب الآيات والسور '' یہ تفسیر دائرۃ المعارف العثمانیہ (حیدرآباد) دکن سے شائع ہوئی تھی۔ ۱۹۹۵ء میں یہ معروف محقق عبد الرزاق مھدی کی تحقیق سے سات جلدوں میں بیروت سے شائع ہوئی ہے۔اس کے فلسفۂ نظم پر بحث آگے آئے گی۔اسی طرح اس کے ایک حامی ابوجعفر بن زبیر بھی ہیں جنہوں نے ''البرهان في مناسبة ترتيب سور القرآن'' کے نام سے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی۔اسی طرح امام سیوطی خود بھی اس کے قائل تھے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وكتابي الذي صنعته في اسرار التنزيل كافل بذلك جامع لمناسبات السور والآيات مع ماتضمنه من بيان وجوه الاعجازواساليب البلاغة وقد لخصت منه مناسبات السور

میری وہ کتاب جسے میں نے قرآن مجید کے اسرار ورموز کے حوالے سے مرتب کیاوہ اس سلسلہ میں مددگار رہے،اس میں آیتوں اور سورتوں کے باہمی ربط ونظم کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے وجوہِ اعجاز اور اسالیب بلاغت کو بھی نمایاں کیا گیاہے۔ اس کتاب میں سے سورتوں کے باہمی نظم کے حصہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاصة فی جزء لطیف سمیته :تناسق الدرر فی تناسب السور. ۲۴	تلخیص کر کے میں نے اسے الگ ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا ہے اور اس کا نام میں نے یہ رکھا ہے: تناسق الدرر فی تناسب السور.

علاوہ ازیں امام زرکشی ابن عربی (شیخ اکبر) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب ''سراج المریدین'' میں فرمایا:

ارتباط آی القرآن بعضها ببعض حتی تکون کالکلمة الواحدة متسقة المعانی منتضمة المبانی علم عظیم لم یتعرض له الا عالم واحد عمل فیه سورة البقرة ثم فتح الله عزوجل لنافیه فلمالم نجد له حملة ورایناالخلق باوصاف البطلة ختمنا علیه وجعلنا بیننا وبین الله ورددناه الیه ۔۲۵	آیاتِ قرآن کے باہمی تعلق کو اس طرح سمجھنا کہ وہ ایک مسلسل اور مربوط کلام کے قالب میں ڈھل جائیں، ایک عظیم الشان علم ہے۔صرف ایک عالم نے اس علم سے تعرض کیا ہے۔اسی اصول پر اس نے پوری سورۂ بقرہ کو منظّم کر دیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فصلِ خاص سے ہم پر یہ دروازہ کھولا۔لیکن ہم نے لوگوں کے اندر اس علم کے قدر دان نہیں پائے، ساری دنیا دوں ہمتوں اور کاہلوں سے بھری ہوئی ہے پس ہم نے اس کو مہر بند ہی رکھا اور اپنے اور اپنے خدا کے درمیان کے اس معاملہ کو اسی کی طرف لوٹا دیا۔۲۶

اسی طرح شیخ ابوالحسن الشہرابانی فرماتے ہیں:

اول من اظهر ببغداد علم المناسبة ولم نکن سمعناه من غیره هو الشیخ الامام ابو بکر النیسابوری وکان غزیز العلم فی الشریعة والادب وکان یقول	پہلے شخص جنہوں نے بغداد میں علمِ مناسبت (نظم) کو ظاہر کیا وہ ابو بکر نیشاپوری ہیں ۔فقہ وادب میں ان کا بڑا رتبہ تھا۔ان کے لیے منبر رکھا جاتا جس پر بیٹھ کر وہ قرآن کی آیتوں کی شرح کرتے اور بتاتے کہ فلاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علی الکرسی اذاقری علیه الآیة : لم جعلت هذه الآیة الی جنب هذه ؟وما الحکمة فی جعل هذه السورة الی جنب هذه السورة؟ وکان یزری علی علماء بغداد لعدم علمهم بالمناسبة ۔[۲۷]

آیت فلاں آیت کے پہلو میں کیوں رکھی گئی اور فلاں سورت کے فلاں سورت کے ساتھ رکھنے میں کیا حکمت ہے اور علمائے بغداد کی تنقیص کرتے کہ یہ لوگ نظم کے علم سے بالکل محروم ہیں ۔[۲۸]

اصولِ تفسیر میں نظمِ قرآن کی حیثیت

گزشتہ صفحات میں نظم قرآن کے حوالے سے جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں ان کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین میں سے جن اصحاب علم نے نظم و مناسبت کے علم کی اہمیت وافادیت پر بات کی ہے انہوں نے اسے فوائد اور نکات کی قبیل سے شمار کیا ہے۔ جیسا کہ امام زرکشیؒ فرماتے ہیں:

"مفسرین کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو اس علمِ نظم کی اہمیت کو نظرانداز کرتی ہے، حالانکہ اس میں بڑے فوائد پنہاں ہیں۔"[۲۹]

علوم قرآن پر موجود جامع کتابوں میں بھی اسے اصول تفسیر یا شرائط تفسیر و شرائط مفسر میں جگہ نہیں دی گئی ۔ جمہور اہلِ سنت نے اصول تفسیر میں جن چیزوں کو بیان کیا ہے ان میں قرآن مجید کی تفسیر: (۱) قرآن ہی سے (۲) حدیث سے (۳) اقوالِ صحابہ سے (۴) اقوالِ تابعین سے (۵) اسرائیلی روایات سے (کچھ شرائط کے ساتھ) اور (۶) لغت عربی سے (کچھ شرائط کے ساتھ) کو تو بیان کیا ہے، مگر نظمِ قرآن کو ان اصولوں میں کہیں جگہ نہیں دی گئی ۔مگر مولانا فراہی واصلاحی کے ہاں نظم قرآن کو بنیادی وکلیدی حیثیت دے دی گئی ہے ۔ان اصحاب کے بقول نظم قرآن سے بے پرواہو کر قرآن مجید کی تفسیر کی ہی نہیں جاسکتی اور جنھوں نے نظم قرآن کی رعایت نہ کرتے ہوئے تفسیریں لکھی ہیں انہوں نے تفسیر قرآن میں غلط قدم اٹھایا ہے۔[۳۰]

مولانا فراہی نے تفسیر قرآن کے اصولوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) بنیادی اصول (۲) ترجیح کے اصول (۳) غلط اصول۔

پھر بنیادی اصول کے تحت چار طرح کے اصول پیش کیے ہیں:

(۱) نظمِ کلام اور سیاق وسباق کا لحاظ (۲) نظائرِ قرآن کی روشنی میں مفہوم کا تعین (۳) کلام میں مخاطب کا صحیح تعین، اور (۴) الفاظ کے شاذ معانی کا ترک۔

پھر ان میں سے پہلے اصول (یعنی نظمِ کلام) کے تحت رقم طراز ہیں:

''یہ اصول بنیادی اس لیے ہے کہ کوئی بھی کلام ایسے مفہوم کا متحمل نہیں ہوسکتا جو اس کے نظام کے مخالف اور اس کے معانی کو غیر مربوط کرنے والا ہو۔ ربطِ کلام تو ہر عاقل کے کلام کی خصوصیت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا معجز کلام اس خصوصیت سے خالی کیسے ہوسکتا ہے؟ تفسیر کا یہ اصول نہایت واضح تھا، لیکن بعض منحرف لوگوں نے اس کو ختم کرنے کی کوشش کی اور بعض حدیثیں ایسی گھڑ دیں جن کے باعث ناپختہ عقل رکھنے والے صالح اہل ایمان بھی فتنہ میں مبتلا ہوگئے۔'' [۳۱]

پھر آگے تفسیر قرآن کے ''غلط اصول'' کے تحت یہ اصول لکھا ہے:

''قرآن کی تاویل حدیث کی روشنی میں کرنا، جب کہ حدیث کی تاویل قرآن کی روشنی میں ہونی چاہیے۔'' [۳۲]

پھر ایک مثال کے بعد رقم طراز ہیں:

''یہیں ایک چیز پرخطر اور صحیح بات سے پھسلانے والی بھی ہے۔ وہ یہ کہ قرآن کی بات کو اچھی طرح سمجھنے سے پہلے اگر تم حدیث پر پل پڑو گے جس میں صحیح اور سقیم دونوں طرح کی احادیث ہوں تو تمہارا دل بعض ایسی رایوں میں اٹک سکتا ہے جن کی قرآن میں کوئی اساس نہ ہو اور کبھی وہ قرآن کی ہدایت کے برعکس بھی ہوں۔ اس کے نتیجہ میں تم قرآن کی تاویل میں اعتماد حدیث پر کرو گے اور تم پر حق وباطل گڈ مڈ ہو جائیں گے۔ پس سیدھا راستہ یہ ہے کہ تم قرآن سے ہدایت پاؤ۔ اس پر اپنے دین کی بنیاد رکھو، اس کے بعد احادیث پر نگاہ ڈالو۔ اگر کوئی حدیث بادیٔ النظر میں قرآن سے ہٹی ہوئی ہو تو اس کی تاویل کلام اللہ کی روشنی میں کرو۔ اگر دونوں میں مطابقت کی کوئی صورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکل آئے تو تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی۔ اگر اس میں ناکامی ہوتو حدیث کے معاملہ میں توقف کرو اور قرآن پر عمل کرو۔''[۳۳]

اسی طرح مولانا فراہی ''تفسیر کے خبری ماخذ'' کے تحت لکھتے ہیں:

''بعض ماخذ اصل واساس کی حیثیت رکھتے ہیں اور بعض فرع کی۔ اصل و اساس کی حیثیت تو صرف قرآن کو حاصل ہے، اس کے سوا کسی چیز کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ باقی فرع کی حیثیت سے تین ہیں: (۱) احادیث (۲) قوموں کے ثابت شدہ اور متفق علیہ حالات (۳) گزشتہ انبیاء کے صحیفے جو محفوظ ہیں۔ اگر احادیث، تاریخ اور قدیم صحیفوں میں ظن[۳۴] اور شبہ کو دخل نہ ہوتو ہم ان کو فرع کے درجہ میں نہ رکھتے، بلکہ سب کی حیثیت اصل کی قرار پاتی اور سب بلا اختلاف ایک دوسرے کی تائید کرتے۔ پس جو شخص قرآن مجید کو سمجھنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ روایات کے ذخیرہ میں سے ان روایات کو نہ لے جو اصل کو ڈھانے والی ہوں۔ بعض روایتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کی تاویل نہ کی جائے تو ان کی زد براہ راست اصل پر پڑتی ہے اور ان سے سلسلۂ نظم درہم برہم ہوتا ہے۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ بہت سے لوگ آیت کی تاویل تو کر ڈالتے ہیں، لیکن روایت کی تاویل کی جرأت نہیں کرتے۔ بلکہ بسا اوقات تو صرف آیت کی تاویل پر ہی بس نہیں کرتے، بلکہ اس کے نظام کی بھی قطع و برید کر ڈالتے ہیں۔ حالانکہ جب اصل و فرع میں تعارض ہوتو کاٹنے کی چیز فرع ہے نہ کہ اصل ...... اور سب سے زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو ایسی روایتیں تک قبول کر لیتے ہیں جو نصوصِ قرآن کی تکذیب کرتی ہیں، مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے جھوٹ بولنے کی روایت یا آنحضرت ﷺ کے خلافِ وحی قرآن پڑھ دینے کی روایت۔ اس طرح کی روایات کے بارہ میں ہم کو نہایت محتاط ہونا چاہیے۔ صرف وہ روایتیں قبول کرنی چاہئیں جو قرآن کی تصدیق وتائید کریں۔ مثلاً جو آثار حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہیں وہ بالعموم نظم قران سے بہت اقرب ہیں...... اگر کوئی شخص فروع میں سے کسی بات کا منکر ہوتو وہ قرآن کے منکروں کی طرح نہیں ہوسکتا۔''[۳۵]

مولانا فراہی مزید فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''احادیث وروایات کے ذخیرہ سے صرف وہی چیزیں لینی چاہئیں جو نظمِ قرآن کی تائید کریں، نہ کہ اس کے تمام نظام کو درہم برہم کر دیں۔'' ۳۶

نیز فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک سب سے زیادہ بے خطر راہ یہ ہے کہ استنباط کی باگ قرآن مجید کے ہاتھ میں دے دی جائے۔ اس کا نظم وسیاق جس طرف اشارہ کرے اسی طرف چلنا چاہیے۔'' ۳۷

مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے استاد کے انہی تفسیری اصولوں کو قرآن کے داخلی اور خارجی وسائل میں تقسیم کر کے مزید منقح کر دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''میں نے اس (تفسیر تدبر قران) میں فہم قرآن کے ان وسائل وذرائع کو اصل اہمیت دی ہے جو خود قرآن کے اندر موجود ہیں، مثلاً قرآن کی زبان، قرآن کا نظم اور قرآن کے نظائر وشواہد۔ [آگے چل کر مولانا نے پہلے اصول کو لغتِ عرب، دوسرے کو نظمِ قران اور تیسرے کو تفسیرِ قرآن بالقرآن سے تعبیر کیا ہے۔ ناقل] دوسرے وسائل جو قرآن سے باہر کے ہیں، مثلاً حدیث، تاریخ، سابق آسمانی صحیفے اور تفسیر کی کتابیں، اگرچہ اپنے امکان کی حد تک میں نے ان سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، لیکن ان کو داخلی وسائل کے تابع رکھ کر ان سے استفادہ کیا ہے۔ جو بات قرآن کے الفاظ [مراد پہلی چیز یعنی لغت عرب۔ ناقل]، قرآن کے نظم اور قرآن کی خود اپنی شہادتوں اور نظائر سے واضح ہوگئی ہے، وہ میں نے لے لی ہے۔ اگر کوئی چیز اس کے خلاف میرے سامنے آئی تو میں نے اس کی قدر وقیمت اور اہمیت کے اعتبار سے اس کو جانچا ہے اور اگر دینی وعلمی پہلو سے وہ کوئی اہمیت رکھنے والی بات ہوئی ہے تو میں نے اس پر تنقید کر کے اس کو سمجھنے اور اس کے صحیح پہلو کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اگر بات کچھ یوں ہی سی ہوئی ہے تو اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔'' ۳۸

مولانا فراہی واصلاحی کے مندرجہ بالا اقتباسات میں کئی چیزیں محل نظر ہیں۔ ان میں سے ایک چیز روایات کا قرآن کے خلاف ہونے کا مسئلہ بھی ہے۔ فراہی واصلاحی کے ہاں روایات کے خلافِ قرآن ہونے کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ روایت، قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہو اور دوسرا یہ کہ روایت قرآن مجید کے الفاظ سے حاصل ہونے والے نظم کے خلاف ہو۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں محدثین کی شرائط پر پوری اترنے والی کوئی صحیح روایت کیا قرآن کے ظاہری الفاظ کے اس طرح خلاف ہوسکتی ہے کہ اس میں اور قرآن میں کوئی جمع وتطبیق کی گنجائش نہ رہے؟ یہ الگ تفصیل طلب موضوع ہے۔ یہاں اس دوسرے پہلو پر کچھ عرض کیا جائے گا کہ کوئی روایت نظمِ قرآن کے خلافِ ہوتو کیا اسے بھی خلاف قرآن کہہ کر رد کیا جا سکتا ہے؟

یہ بات یاد رہے کہ نظم قرآن کے سلسلہ میں جن اہلِ علم نے قرآنی آیات اور سورتوں کے باہمی نظم ومناسبت کے مختلف پہلو اُجاگر اور مختلف نظام قائم کیے ہیں یہ سب ان کی ذہنی کاوشیں ہیں۔ اب اگر کوئی روایت اس نظام (نظم قرآن) کے خلاف ہو تو اسے ان کے ذہنی کاوش سے تیار کردہ 'نظامِ قرآن' کے خلاف تو کہا جا سکتا ہے، مگر 'قرآن' کے خلاف نہیں۔ اس سلسلہ میں ہم یہ واضح کریں گے کہ نظمِ قرآن کی تلاش خالص عقلی کاوش ہے اور پھر جن اہل علم نے اس طرف تعقّل وتفکّر کر کے نظم ومناسبت کی مختلف شکلیں پیش کی ہیں، وہ سب عقلی کاوشیں ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، حتی کہ خود فراہی و اصلاحی کے ہاں بھی ایسے کئی اختلافات بالکل واضح ہیں۔ اس کے بعض نمونے آگے پیش کیے جائیں گے۔ یہاں اس پہلو کو واضح کرنے کے لیے کہ 'نظم قرآن کی تلاش خالصتاً غور وفکر پر مبنی ہے'، ترتیبِ قرآن اور نظمِ قرآن کے فرق کو واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، کیونکہ بعض حضرات نظم قرآن کے ثبوت کی بنیاد ان دلائل پر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جن کا تعلق صریح طور پر ترتیبِ قرآن سے ہے۔

ترتیبِ قرآن اور نظمِ قرآن میں فرق:

قرآن مجید کی ترتیب وتدوین اور نظمِ قرآن (یعنی علم المناسبۃ) دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ترتیبِ قرآن میں یہ بحث کی جاتی ہے کہ قرآن مجید جس ترتیب کے ساتھ آج ہمارے سامنے کتابی شکل میں موجود ہے، کیا عہدِ نبوی میں بھی اس کی یہی ترتیب تھی؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کیا اسی ترتیب کے ساتھ اس کی تلاوت کی جاتی تھی؟ جبکہ نظم قرآن اس سے اگلا مرحلہ ہے جس میں یہ بحث کی جاتی ہے کہ ایک آیت کے الفاظ اور جملوں کا داخلی طور پر ایک دوسرے سے کیا ربط ہے؟ مثلاً غفور رحیم میں غفور کے بعد رحیم لانے کی کیا وجہ ہے؟ عذاب کی وعید سناتے ہوئے اچانک جنت کا ذکر کیوں آتا ہے؟ اسی طرح جنت کی باتیں بتاتے ہوئے اچانک جہنم کا تذکرہ کیوں آجاتا ہے؟ نیز یہ غور وخوض کیا جاتا ہے کہ ایک آیت کا مابعد اور ماقبل کی آیات کے ساتھ کیا ربط ہے؟ اسی طرح ایک سورت کی تمام آیات کا ایک دوسرے سے کیا ربط ہے؟ پھر ایک سورت کا ماقبل اور مابعد کی سورتوں سے کیا ربط ہے؟ سورۂ فاتحہ کا سورۂ بقرہ سے اور سورۂ بقرہ کا سورۂ آل عمران سے کیا ربط وتعلق ہے؟

اس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ بعض پہلوؤں سے نظمِ قرآن اور سیاقِ کلام میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ کیونکہ سیاق وسباق کا تعلق ایک آیت یا بعض اوقات چند آیات تک محدود ہوتا ہے، ضروری نہیں کہ پوری کی پوری سورت یا پورے کے پورے قرآن کا ایک ہی سیاق وسباق ہو۔ مثلاً سورۂ آل عمران میں جنگِ احد کے بارے میں چند آیات ہیں اور وہیں تک آیات کا خاص سیاق وسباق ہے، مگر پوری سورت کو جنگ احد کے سیاق و سباق کے تناظر میں دیکھنا غلط فہمی ہے۔ جب کہ نظم قرآن میں پوری کی پوری سورت بلکہ پورے قرآن کو ایک ہی تناظر میں دیکھنے اور ایک ہی لڑی میں پرو دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

علومِ قرآن پر لکھی گئی کتابوں میں ترتیبِ قرآن اور نظمِ قرآن، دونوں پر الگ الگ بحث کی گئی ہے، مثلاً امام سیوطی نے اپنی کتاب 'الاتقان' کی پہلی جلد کی اٹھارہویں نوع میں 'جمع وترتیبِ قرآن' پر بحث کی ہے، جبکہ 'نظمِ قرآن' کی بحث انہوں نے دوسری جلد کی باسٹھویں نوع میں جا کر اٹھائی ہے۔

ترتیبِ قرآن اور نظمِ قرآن کی ٹھوس شہادتوں کا مسئلہ:

جب ہم ترتیبِ قرآن یا نظمِ قرآن کے حوالے سے کوئی حتمی رائے قائم کریں گے تو لامحالہ اس کے لیے کوئی ٹھوس اور معیاری دلیل بھی فراہم کرنا ہوگی۔ جہاں تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید کی جمع وترتیب کی موجودہ شکل کا سوال ہے تو اس سلسلے میں تین باتیں قابلِ غور ہیں۔

(۱) کیا اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں قرآن مجید ایک مصحف کی شکل میں جمع کرلیا گیا تھا؟

(۲) کیا قرآن مجید کی سورتوں میں سے ہر سورت میں موجود آیات کی موجود شکل اللہ کے رسول ﷺ نے مقرر فرمائی تھی؟

(۳) کیا سورتوں کی موجودہ ترتیب بھی آنحضرت ﷺ ہی نے بتائی تھی؟

جہاں تک پہلا سوال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے قرآن مجید کو ایک مصحف کی شکل میں نہیں لکھوایا، البتہ قرآن مجید کا جب اور جتنا حصہ نازل ہوتا آپؐ اپنے کاتبینِ وحی میں سے کسی کو بلوا کر وہ حصہ اسے لکھوا دیتے۔ اس طرح پورا قرآن مجید الگ الگ حصوں میں لکھ لیا گیا: جیسا کہ کاتبینِ وحی میں سے ایک مشہور صحابی حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں:

کنا عند رسول اللہ ﷺ نؤلف القرآن من الرقاع......(۳۹)

ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ہوتے تھے اور قرآن مجید کو رقاع (مخصوص کپڑے) پر لکھا کرتے تھے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں میں موجود آیات کی ترتیب اللہ کے رسول ﷺ کی مقرر کردہ ہے۔ کیونکہ یہ آیات اگرچہ مختلف مواقع پر نازل ہوتی تھیں، مگر آپؐ انہیں نزولی ترتیب سے نہیں لکھواتے تھے، بلکہ ایک مخصوص ترتیب سے لکھواتے تھے اور وہی ترتیب آج ہمارے پاس موجود ہے، کیونکہ نزولی ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ سورۂ علق اور دیگر مکی سورتوں کو قرآن مجید کے آغاز میں رکھا جاتا، اس لیے کہ یہ پہلے نازل ہوئی تھیں اور مدنی سورتوں کو ان کے بعد جگہ دی جاتی، کیونکہ وہ بعد میں نازل ہوئی تھیں، مگر قرآن مجید کی موجودہ ترتیب، جو تواتر سے ہم تک پہنچی ہے، تقریباً اس کے برعکس ہے۔ امام سیوطی نے اس سلسلہ میں ایک فصل قائم کی ہے جس کا عنوان ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترتیب الآیات توقیفی، اس کے تحت لکھتے ہیں:

الاجماع والنصوص المترادفة علی ان ترتیب الآیات توقیفی لاشبهة فی ذلک اما الاجماع فنقله غیر واحدمنهم الزرکشی فی البرهان وابوجعفر بن الزبیر فی مناسباته وعبارته: ترتیب الآیات فی سورها بتوقیفه وامره من غیر خلاف فی هذا بین المسلمین[۴۰]

اجماعِ امت اور بے شمار نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور اس میں قطعاً شبہ نہیں، جہاں تک اس پر اجماع کا تعلق ہے تو اس کا دعوی کئی ایک اہل علم نے کیا ہے مثلاً امام زرکشی نے برھان میں، ابو جعفر نے اپنی کتاب 'مناسبات' میں۔ ابو جعفر کی عبارت یہ ہے: سورتوں میں موجود آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور اس کے توقیفی ہونے میں مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد امام سیوطی نے تقریباً بیس احادیث نقل کی ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے مثلاً: ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

من حفظ عشر آیات من اول سورة الکهف عصم من الدجال[۴۱]

جس شخص نے سورۂ کہف کی پہلی دس آیات کی تلاوت کر لی وہ دجال سے محفوظ کر دیا گیا۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے:

''جس شخص نے سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی رات میں تلاوت کی اس رات وہ دو آیتیں اس کے لیے کافی ہو جائیں گی۔''[۴۲]

ان روایات میں مختلف سورتوں کی پہلی یا آخری آیات کی تلاوت کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ظاہر ہے، یہ آیات اپنی اپنی سورتوں میں کسی ترتیب کے ساتھ جمع کی گئی تھیں تبھی تو آنحضرت ﷺ نے پہلی آیات یا آخری آیات کی طرف اشارہ کر کے ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فضیلت بیان فرمائی۔اگر یہ مرتب نہ ہوتیں تو آپ پہلی یا آخری کا اشارہ دینے کی بجائے صاف طور پر ان آیات کی تلاوت کرتے اور تلاوت کرنے بعد فرماتے کہ ان آیات کی یہ فضیلت ہے۔

تیسرا سوال، جو سورتوں کی ترتیب کے بارے میں تھا،اس کے متعلق امام سیوطی فرماتے ہیں:

واماترتیب السور فهل هوتوقیفی ایضا اوهو باجتهاد من الصحابة ؟خلاف: فجمهور العلماء علی الثانی منهم مالک والقاضی ابو بکر فی احد قولیه۔[۴۳]

سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے یا اس کی بنیاد صحابہ کا اجتہاد ہے؟اس میں اختلاف ہے جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ صحابہ نے اجتہاد سے سورتوں کو ترتیب دیا ہے۔ امام مالک کی اور ایک قول کے مطابق قاضی ابو بکر کی بھی یہی رائے ہے۔

پھر آگے چل کر امام سیوطی امام زرکشی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''ان دوگروہوں میں پیدا ہونے والا اختلاف لفظی نوعیت کا ہے، کیونکہ دوسرا گروہ (جو ترتیبِ سُوَر کو صحابہ کے اجتہاد پر مبنی قرار دیتا ہے وہ بھی) اسی بات کا قائل ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہؓ کو اس ترتیب کا اشارہ دے دیا تھا، کیونکہ یہ صحابہ قرآن مجید کے نزول کے اسباب اور موقع ومحل سے بخوبی آگاہ تھے۔اسی بنیاد پر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کو اسی ترتیب سے جمع کیا جس ترتیب سے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا تھا۔حالانکہ امام مالکؒ اس بات کے قائل ہیں کہ سورتوں کی ترتیب صحابہ نے ازراہ اجتہاد قائم کی تھی۔اس لحاظ سے گویا یہ اختلاف اس نکتے پر جمع ہوجاتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب آنحضرت ﷺ کی قولی شہادت پر ہے یا فعلی استناد پر۔''[۴۴]

اس ساری بحث سے کم ازکم یہ واضح ہوجاتا ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں اور سورتوں کی جمع وترتیب کے پیچھے نصوص موجود ہیں اور پھر اجماعِ امت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔لیکن جب ہم نظمِ قرآن کے حوالے سے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیات کا ایک دوسرے سے اور سورتوں کا آپس میں کیا ربط ہے؟ فاتحہ کے بعد بقرہ، پھر آل عمران، پھر نساء لانے میں کیا حکمت کارفرما ہے؟ معوذتین کو آخر میں رکھنے میں کیا راز ہے؟ سورۂ بنی اسرائیل کو کلمات تسبیح سے اور سورۂ کہف کو کلمۂ تحمید سے شروع کرنے کا کیا مقصد ہے؟ تو یہ ساری باتیں ہمارے ذاتی خیالات اور قیاس آرائیوں پر مبنی ہوتی ہیں۔ جس آیت کو جہاں اور جس سورت کو جس جگہ مقرر کیا گیا ہے اس میں ضرور اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے، مگر یہ حکمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتائی نہیں نہ آنحضرت ﷺ نے ایسی کوئی حکمت ہمارے سامنے کھولی ہے اور نہ صحابہ کرامؓ اور تابعینِ عظامؒ سے اس سلسلہ میں کوئی مباحث یا نوادرات ہمیں ملتے ہیں۔ جمہور مفسرین نے بھی اس سلسلہ میں کوئی رائے نہیں دی۔ (باقی آئندہ)

حواشی ومراجع

۱۔ اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، مقدمہ، جلد ا صفحہ ۲۵، ۲۶۔ فاران فاؤنڈیشن لاہور، طبع جون ۱۹۹۳ء۔ نیز دیکھیے: فراہی حمید الدین (عبد الحمید) رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن، صفحہ ۱۰۳، ۱۰۵، ادارہ الاصلاح سرائے میر، یوپی، انڈیا، ط ۱۹۹۱ء، بحوالہ 'تفسیر قرآن کے اصول' ترجمہ از خالد مسعود، صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ط ۱۹۹۸ء۔

۲۔ مودودی، ابوالاعلیٰ تفہیم القرآن، جلد ا صفحہ ۱۳، ۱۴، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ط جولائی ۲۰۰۰ء۔

۳۔ ایضاً، صفحہ ۱۵۔

۴۔ ایضاً، صفحہ ۲۱۔

۵۔ تدبر قرآن،، جلد ا، صفحہ ۲۴۔

۶۔ ایضاً، ص ۲۶۔

۷۔ تفہیم القرآن، ص ۱۹، ۲۰۔

۸۔ خطابی، حمد بن محمد، البیان فی اعجاز القرآن تصحیح، ڈاکٹر عبد العلیم، ص ۹، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، س ن۔ بحوالہ 'قرآن کریم میں نظم ومناسبت' از عبید اللہ فہد فلاحی، ص ۹۰،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دار التذکیر لاہور، ط ۱۹۹۹ء۔
۹۔ اسد آبادی، عبدالجبار، المغنی فی ابواب التوحید والعدل، ج ۱۲ص ۱۱۹، ۲۰۰، وزارۃ الثقافۃ والارشاد القومی، ایران، س ن۔
۱۰۔ زمخشری، جاراللہ محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، ج ۲ص ۲۵۹، مطبعہ الاستقامۃ مصر، ۱۹۲۶ء۔
۱۱۔ تفسیر الکشاف، ج ۲ص ۷۶۔
۱۲۔ ایضاً، ج اص ۳۹۸، ۳۹۹۔
۱۳۔ زرکشی، محمد بن عبداللہ، البرہان فی علوم القرآن، جلد ا، صفحہ ۳۲۔
۱۴۔ رسائل الامام الفراہی، ص ۸۸، ۸۹، بحوالہ 'تفسیر قرآن کے اصول' ص ۱۰۵، ۱۰۶۔
۱۵۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الاتقان فی علوم القرآن، جلد ۲، صفحہ ۲۱۸، دار الکتاب العربی، بیروت، طبعۃ اولیٰ ۱۹۹۹ء۔ اس سے ملتی جلتی تعریف امام زرکشی نے بھی البرہان میں کی ہے، دیکھیے: البرہان فی علوم القرآن، جلد ا، صفحہ ۳۵۔
۱۶۔ الاتقان، ج ۲، ص ۲۱۶۔ ۱۷۔ ایضاً
۱۸۔ البرہان، ج اص ۳۷۔
۱۹۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر، ج اص ۱۰۷تا ۱۰۹، دار الکتب العربی، بیروت۔ الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۹۹ء۔
۲۰۔ الاتقان، ج ۲ص ۲۔ ۲۱۔ البرہان، ج اص ۳۶۔
۲۲۔ ایضاً، ج اص ۳۷۔ امام سیوطی نے بھی یہی بات 'الاتقان' میں نقل کی ہے اور وہاں مشایخنا کی جگہ شیخ ولی الدین ملوی کا نام ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: الاتقان، ج ۲، ص ۲۱۷۔
۲۳۔ الاتقان، ج ۲ص ۲۱۶، نیز دیکھیے: البرہان، ج اص ۳۶۔
۲۴۔ الاتقان، ج ۲ص ۲۱۶۔
۲۵۔ البرہان، ج اص ۳۲۔
۲۶۔ ترجمہ از امین احسن اصلاحی بحوالہ 'مجموعہ تفاسیر فراہی' ص ۳۱، ۳۲۔
۲۷۔ البرہان، ج اص ۳۲۔
۲۸۔ ترجمہ از اصلاحی، مجموعہ تفاسیر فراہی، ص ۳۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۹۔ البرھان، ج ا ص ۳۶۔

۳۰۔ اصلاحی، امین احسن، مبادیٔ تدبر قرآن، ص ۸۷، ۹۷، فاران فاونڈیشن لاہور، ط، ستمبر ۲۰۰۴ء۔

۳۱۔ رسائل الامام الفراہی ص ۸۸، ۸۹ بحوالہ ''تفسیر قرآن کے اصول'' ص ۱۰۳، ۱۰۴۔

۳۲۔ ایضاً ص ۲۷۸، بحوالہ 'تفسیر قرآن کے اصول' ص ۱۹۰۔

۳۳۔ ایضاً۔

۳۴۔ آگے چل کر واضح کیا جائے گا کہ نظمِ قرآن جسے مولانا نے تفسیرِ قرآن کا پہلا بنیادی اور اساسی (اصل) قاعدہ قرار دیا ہے، وہ بھی سراسر ظن وتخمین پر مبنی ہے، مگر عجیب بات یہ ہے کہ حدیثِ رسولؐ خواہ وہ کتنے ہی ثقہ ومعتبر راویوں سے کیوں نہ مروی ہو، اسے تو اصولِ تفسیر میں ظن کی بنیاد پر 'فرع' کی حیثیت دی جا رہی ہے، جب کہ ذاتی ظن وتخمین سے ثابت کیے جانے والے نظمِ قرآن کو حدیث کے مقابلہ میں 'اصل' کی حیثیت دی جا رہی ہے۔ یقیناً مولانا کا یہ اصول تفسیر محل نظر ہے۔

۳۵۔ مجموعہ تفاسیر فراہی ص ۳۷، ۳۹۔

۳۶۔ مقدمہ تفسیر نظام القرآن، مترجم امین احسن اصلاحی ص ۳۸، طبع دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ، ط ۱۹۹۰ء۔

۳۷۔ ایضاً ص ۴۵۱۔

۳۸۔ تدبر قرآن، مقدمہ، ج ا ص ۱۳، ۱۴۔

۳۹۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، **کتاب المناقب، باب فی فضل الشام والیمن**، حدیث ۳۹۵۴، مکتبۃ دارالسلام، ریاض، ۱۹۹۶ء۔ نیز دیکھیے: احمد بن حنبلؒ، 'مسند احمد' ج ۵ ص ۱۸۴، ۱۸۵، المکتب الاسلامی بیروت، س ن۔

۴۰۔ الاتقان، ج ا ص ۲۱۴۔

۴۱۔ مسلم، امام، مسلم بن حجاج، **صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل سورۃ الکھف وآیۃ الکرسی**، حدیث ۸۰۹، طبع دارالسلام ریاض، ۱۹۹۶ء۔

۴۲۔ ایضاً، **کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل الفاتحۃ وخواتیم سورۃ البقرۃ** ...... حدیث ۸۰۸۔

۴۳۔ الاتقان، ج ا ص ۲۲۰۔

۴۴۔ ایضاً۔

© rasailojaraid.com